جعفر طاہر اور کینٹوز نگاری کی روایت

ڈاکٹر سلیم تقی شاہ[1]

Abstract

The way Dante in Italian literature and Ezra Pond in English literature enriched canto writing, just as that Syed Hadi Hassan and N.M. Rashid though added significantly in the convention of canto writing but Capt. Jafar Tahir owes much to lead this genre to an apogee in Urdu. Cantos were basically the songs sung in church. We find many songs in Bible too. "Bhajan" in Hinduism also relates to this group. It is, as if, cantos originate from the convergence of music and poetry. The brrilliance of Jafar Tahir is that he introduced as much dimensions of cantos writing that this genre has become his identity in Urdu literature. The following thesis is an attempt to circumscribe the canto writing of Jafar Tahir.

کلیدی الفاظ: **اردو شاعری، گیت نگاری، مذہبی رسومات، موسیقی، کینٹوز نگاری**

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی نے جہاں برصغیر کی سیاسی، معاشرتی اور سماجی زندگی کو متاثر کیا وہاں اردو ادب پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ ادب میں حکمرانوں نے شعوری طور پر بعض مغربی اصناف کی ترویج پر زور دیا۔ اردو غزل ہماری تہذیبی روایت کا ایک مستحکم ستون تھی جسے منہدم کرنے کے لیے مغربی طرز کی نظم کو فروغ دیا گیا۔ انجمن پنجاب کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ شاعری کے ان رجحانات کے زیرِ اثر اردو میں نظمِ معریٰ، آزاد نظم اور نثری نظم کو فروغ ملا۔

اردو کی شعری روایت میں بیشتر شعری اصناف کی طرح نظم کی ہیئت 'کینٹو' کو بھی انگریزی ادب سے مستعار لیا گیا۔ اس ضمن میں جن مغربی شعرا کے اثرات اردو شاعری پر مرتسم ہوئے ان میں ٹی ایس ایلیٹ، ایذرا پاؤنڈ اور بودلیئر کے نام خصوصیت کے حامل ہیں۔

---

1 پرنسپل، گورنمنٹ ڈگری کالج، اٹھارہ ہزاری، جھنگ

کینٹوز اطالوی زبان لفظ ہے۔ یہ لاطینی زبان کے لفظ Cantusfirmus سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں گیت، نغمہ، گانا یا موسیقی۔

کینٹس (Cantus) دراصل گرجا گھر میں گائے جانے والے ایک گیت کو کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں شعرا اکثر و بیشتر گائے جاتے تھے۔اس لیے کینٹو (Canto) کا اطلاق ان معنوں میں ہوا۔

۱۔ گیت یا نغمہ ۲۔ شیریں نغمہ

۳۔ مشہور دھن ۴۔ موسیقی

بعد میں اس نظم کو جو، گا کر پڑھی جا سکے اُسے کینٹو کہا جانے لگا۔

کینٹو کی اصطلاح بطور طویل نظم کا ایک حصہ سب سے پہلے اطالوی شاعر دانتے، بولی آرڈو اور آری آسٹو نے استعمال کی۔ کینٹو سے مراد کسی طویل نظم کے حصے ہو سکتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے مربوط ہوں، اور جن میں خیال کا تسلسل پایا جائے۔ کینٹو کی طویل نظم میں وہی حیثیت ہے، جو ناول میں باب کی ہوتی ہے۔ جس طرح ناول میں ابواب کی خاص ترتیب سے کہانی خاص انداز میں آگے بڑھتی ہے اور ہر باب کا اختتام کہانی کو ایک خاص موڑ پر لے آتا ہے۔ اسی طرح نظم میں ترتیب و توازن اور اجزا میں ربط قائم کرنے کے لیے کینٹو کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

دانتے نے اپنی شہرہ آفاق کتاب (Divine Comedy) جو ۱۳۰۷ء میں لکھنی شروع کی میں پہلی بار یہ لفظ استعمال کیا۔ کینٹوز کا اطلاق اس صنفِ ادب پر ہوتا ہے جس میں ایک خاص نقطۂ نظر بیان کیا گیا ہو، اور الفاظ میں گفتار کی متحرک قوت موجود ہو۔ قدیم یونانی عہد میں وہ طویل نظمیں جن میں سورماؤں اور جانبازوں کی شجاعت کے واقعات بیان ہوتے تھے۔ کینٹوز کی ذیل میں آتی تھیں۔

ہومر کی رزمیہ نظمیں ''ایلیڈ اور اوڈیسی'' اس ضمن میں خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ ہومر کے بعد ورجل کا نام آتا ہے۔ انگریزی ادب میں سپنسر اور بائرن کا نام بھی اس ضمن میں اہمیت کا حامل ہے۔ قدیم زمانے میں کوئی بھی طویل نظم خصوصاً رزمیہ کا آغاز کرتے وقت شعری دیوی (Muse) سے مدد طلب کی جاتی تھی اور نفس مضمون کو ادا کرنے کے لیے اسے مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ان حصوں کو کینٹوز کہا

گیا۔ شمیم احمد لکھتے ہیں:

> ''کسی رزمیہ نظم کے ذیلی حصے کو بھی کینٹوز کہا جاتا ہے۔ مجموعاً کسی بیانیہ نظم کو بھی کینٹوز کہا جا سکتا ہے۔''(۱)

کینٹوز زیادہ تر اطالوی اور انگریزی ادب میں لکھے گئے ہیں۔ کینٹوز محاسن شعری کا حسین مرکب ہوتے ہیں۔اس میں استعاراتی اور علامتی انداز بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

برّصغیر میں گیارہویں صدی عیسوی میں لکھی جانے والی ''راسو'' نظمیں، جو مسلمان حملہ آوروں کے خلاف لکھی گئیں، رزمیہ عناصر سے مملو ہیں۔اسی طرح دکن میں کمال خان رستمی کا ''خاور نامہ'' اور مرثیہ نگاری وغیرہ بھی رزمیہ شاعری کے حوالے سے قابلِ ذکر ہیں۔تاہم کینٹو کی ہیئت میں ن۔م۔راشد کی طویل نظم ''ایران میں اجنبی'' کو اردو شاعری میں اس کا نقطۂ آغاز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی ہیئت اور موضوع انگریزی شاعری سے مختلف ہے لیکن راشد کا اسلوب ''ایران میں اجنبی'' کے کینٹوز میں مکالماتی اور طنزیاتی ہے۔ان کے اسلوب پر فارسیت کی گہری چھاپ ہے جو ان کے اسلوب کو بلند آہنگی اور انفرادیت عطا کرتی ہے۔

کینٹوز لکھنے کی ایک خاص تکنیک ہے۔ کینٹوز کی مستند ہیئتیں اطالوی اور انگریزی ادب میں مقبول رہی ہیں۔ دونوں ہیئتوں میں ترتیب قوافی کی سختی سے پابندی کی گئی ہے۔ اردو شاعری میں جہاں تک تکنیکی خصوصیات کا تعلق ہے۔ وہ بھرپور کوشش سوائے جعفر طاہر کے اور کسی شاعر کے یہاں نظر نہیں آتی۔

بلاشبہ ن۔م۔راشد کے بعد اس روایت کا سب سے معتبر نام جعفر طاہر کا ہے جنہوں نے اس روایت کو رفعت واستحکام بخشا۔یہی وجہ ہے کہ آج ہم اردو نظم کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں جعفر طاہر اور کینٹوز لازم و ملزوم نظر آتے ہیں۔

فرمان علی طاہر کے مطابق جعفر طاہر نے اردو نظم میں ہیئت کا یہ تجربہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں کیا۔ان کا پہلا کینٹو ''پری محل'' ہے جو ''ماہِ نو''، دسمبر ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔(۲)

''پری محل'' بیانیہ شاعری کے انداز میں، لفظ و معنی کی ہم آہنگی کے اعتبار سے جعفر طاہر کا ایک ایسا شاہکار کینٹو ہے جس کا پر شکوہ اسلوب اسے دلکش اور ارفع بناتا ہے۔ نظم کی اس ہیئت میں ملکہ نور جہاں کی ایک دعوتِ شاہانہ کو موضوع بنایا گیا ہے جس میں کشمیر کی تحیّر انگیز فضا کو سمعی و بصری پیکروں کے ساتھ اس انداز

میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ اردو نظم میں ایک مکمل الگ اور انوکھا تجربہ کی صورت میں سامنے آیا۔

جعفر طاہر نے ''ستارہ انقلاب''، ''ہفت کشور''، ''ہفت آسماں'' اور ''قصہ چہار درویش'' کو کینٹو کی ہیئت میں پیش کیا ہے۔ ان کی شاعری میں ہیئتی تجربوں کا ایک یکسر منفرد انداز ملتا ہے۔ انھوں نے کینٹو جیسی مشکل ہیئتِ نظم کو نہایت سلیقے سے برتا ہے۔ ان کے کلام میں فنی اور فکری گہرائی اور گیرائی موجود ہے۔

''ستارہ انقلاب'' بنیادی طور پر ایوب خان کے مارشل لا کی تائید و تعریف میں لکھی گئی کتاب ہے جو چار کینٹوز پر مشتمل ہے۔ اگر نظم کا موضوع دیکھیں تو جعفر طاہر نے اپنے کینٹوز کے توسط سے ایوب خان کے اس مارشل لا کو تخلیقی تائید بخشی ہے، لکھتے ہیں:

ے
بنامِ محمدؐ بنامِ رسولِ مکرّم بنامِ نبیؐ گرامی
بنامِ جوانِ زمانہ فگن، صف شکن، داورِ انقلابِ دوامی
بنامِ نقیبِ حیاتِ نوی، خالقِ دورِ انصاف و عہدِ عوامی
بنامِ جوانے کہ ایوب نامش بنامِ جوانے کہ سوزِ تمامی (۳)

اسی نظم میں آگے چل کر جعفر طاہر نے فوجیوں کی شجاعت، دورانِ جنگ ان کو درپیش مسائل کے ساتھ ساتھ قیامِ پاکستان سے لے کر ایوب خان کے دورِ اقتدار تک کی مختصر منظوم تاریخ کو بھی پیش کیا ہے۔ جعفر طاہر نے جہاں مارشل لا کی تائید کی ہے وہیں ایوب خان کی شخصیت کو ''لاریب'' گردانا ہے:

ے
سپاہی کی طینت، مجاہد کی فطرت، مسلماں کی سادہ دلی کا اشارا
وہ قد قوم کی سر بلندی کا مظہر وہ ماتھا کہ صبح کا روشن ستارا
سپاہی ہوں میرے تصوّر میں ہر دَور کی ظلمتیں آج بھی پر فشاں ہیں
اور ان ظلمتوں میں جو سینہ سپر دیکھتا ہوں وہ لاریب ایوب خاں ہیں (۴)

''ستارۂ انقلاب'' کی اشاعت سے چند ماہ قبل، ''ماہِ نو'' کراچی، جمہوریت نمبر، ۱۹۵۸ء میں ''حسنِ امروز'' کے نام سے ایک نظم شائع ہوئی جس میں جعفر طاہر نے پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بننے کی سالگرہ کے موقع پر بے حد مسرت کا اظہار کیا ہے لیکن اسی سال ''ستارۂ انقلاب'' کی اشاعت میں مارشل لا کو خوش آمدید بھی کہتے ہیں۔ اسے جعفر طاہر کے یہاں فکری تضاد سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اگر جعفر طاہر کی زندگی کے ان ایام

کا بغور مطالعہ کریں تو ان دنوں وہ پاک فوج میں ملازم تھے۔ بہ طور شاعر تو انہوں نے جمہوریت کو سراہا لیکن فوجی ہونے کی وجہ سے وہ اپنے کمانڈر ان چیف کے احکامات سے رو گردانی بھی تو نہیں کر سکتے تھے۔

اردو کی شعری روایت میں سماجی استحصال اور مقتدر حلقوں کا بے رحمانہ رویہ ترقی پسندوں کا اہم موضوع رہا ہے تاہم بہت سے غیر وابستہ شعرا نے بھی اس موضوع کے زیرِ اثر اپنے احساسات و خیالات کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک ہی عصر کے دو نامور شعرا مجید امجد اور جعفر طاہر نے بھی اس موضوع پر خامہ فرسائی کی۔ دونوں شعرا کے کلام موضوعی موازنہ ذیل میں اجمالاً پیش کیا جاتا ہے:

راج محل کے اندر اک اک رتناسن پر
کوڑھی جسم اور نوری جامے
روگی ذہن اور گردوں پیچ عمامے
جہل بھرے علامے
ماجھے، گامے،
بیٹھے ہیں اپنی مٹھی میں تھامے
ہم مظلوموں کی تقدیروں کے ہنگامے
جیبھ پہ شہد--- اور جیب میں چاقو
نسلِ ہلاکو (۵)

اب جعفر طاہر کا کلام ملاحظہ کیجیے:

اے میرے وطن دیکھ یہ فرزند ہیں تیرے
آغوش میں کتے ہیں تو ہاتھوں میں بیٹرے
یہ طرہ و دستار یہ شلوار کے گھیرے
لہراتے ہوئے مونچھوں کے پر ہول پھریرے
ہر وقت جنہیں رہتی ہے ووٹوں کی لگن ہائے
اے وائے وطن وائے!
وہ حاکمِ ذی شان غضب کا تھا مداری
وہ قوم کی حالت پہ سدا گریہ و زاری

گٹھ کتروں سے چوروں سے لٹیروں سے وہ یاری
سونے کی سلاخوں کا تھا کم بخت پجاری
ہو افسرِ ذی جاہ جو شیاد وش ہائے
اے وائے وطن وائے!(۶)

دونوں شعرانے اپنے مخصوص ڈکشن میں نہایت دردمندانہ انداز میں اس مقتدر طبقے کی عادات و اطوار کو بے نقاب کیا ہے تاہم جعفر طاہر نے مذکورہ کینٹو میں اس طبقے کی بداعمالیوں اور معاشرتی استحصال کو زیادہ زاویوں سے دیکھا ہے۔

جعفر طاہر کے کینٹوز کا دوسرا مجموعہ ''ہفت کشور'' کے نام سے ۱۹۶۴ء میں اشاعت پذیر ہوا۔اسی مجموعے کی اشاعت پر انہیں پہلے ''آدم جی'' ایوارڈ سے نوازا گیا۔جعفر طاہر کو یہ اختصاص بھی حاصل ہے کہ وہ پہلے شاعر ہیں جنہیں یہ انعام ملا۔حقیقت یہ ہے جعفر طاہر کی شاعرانہ طبع کے اصل جوہر کینٹوز میں ہی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ڈاکٹر اسلم انصاری رقم طراز ہیں:

> ''کینٹو کا لفظ اُردو شاعری میں رائج کرنے میں جعفر طاہر کے کینٹوز نے اہم کردار ادا کیا اور طویل نظم کا ایک تصور پیش کیا۔''ہفت کشور'' کا ذیلی عنوان ایک نئی کلاسکیت کی تلاش کو ظاہر کرتا ہے۔اس ذیلی عنوان کے الفاظ یہ ہیں:''مشرقِ خفتہ کا صحیفۂ بیداری، تخیل وتمثیل کا ارژنگ۔''(۷)

''ہفت کشور''جعفر طاہر کے خلاقانہ ذہن اور شاعرانہ تجربے کا شاہکار ہے۔اس میں ان کا موضوع سات مسلم ممالک ہیں جن کی تاریخ، تہذیب و ثقافت کی روح تک پہنچنے میں وہ حیرت انگیز حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔انہی ممالک کی تاریخ، تہذیب اور ثقافت سے ان کا مخصوص شعری آہنگ تخلیق پاتا ہے، جو اردو، عربی، فارسی اور ہندی زبانوں کے متوازن امتزاج سے وجود میں آتا ہے۔ان کینٹوز میں نئی تراکیب بلکہ نئے الفاظ کی اختراع نے جعفر طاہر کو امتیاز بخشا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جعفر طاہر کا فارسی کے کلاسکی شعرا کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔وسعتِ مطالعہ کے نتیجے میں شوکتِ لفظی اُن کے کلام کا جزو لاینفک بن کر سامنے آتی ہے۔ان کے کلام میں یہ شوکتِ الفاظ کبھی ان کی فکر کو مدھم نہیں کرتی بلکہ مہمیز کرتی ہے۔

جعفر طاہر نے اردو نظم کو اسلوب، موضوعات اور ہیئتی اعتبار سے مالا مال کیا۔ان کے کینٹوز

موضوعاتی، معنوی اور ہیئتی ہر لحاظ سے حسن و تناسب کی عمدہ مثال ہیں۔ڈرامائی کیفیات ہوں یا داستانوی تسلسل اپنے فنی شعور کی بدولت اپنے کینٹوز میں مشرق و مغرب کے صنمیاتی افسانوں، روایتوں اور تاریخ جیسے خشک کوائف کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں، جو وحدتِ تالیفی کی عمدہ مثال ہے۔ڈرامائی اور داستانی فضا میں اردو ادب کے دیگر داستان گووں سے یکسر انحراف کرتے ہیں۔ان کے کردار اسی تہذیب کے خمیر سے پروان چڑھتے ہیں۔کرداروں کی زباں، ان کا طرزِ گفتگو اسی بیانیہ تہذیب سے جنم لیتا ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ تاریخی کوائف کو اولیت دیتے ہوئے تہذیبی اور بعد میں کرداری مطالعات پیش کرتے ہیں۔ان کے کرداروں کی مکالماتی گفتگو حقیقت کے بے حد قریب دکھائی دیتی ہے۔ایک مکالمہ درج ذیل ہے:

فرعون

سن لیا، خیر سے فرزند کے لچھن دیکھے
دن جو ہم دیکھ رہے وہ نہ دشمن دیکھے

آسیؑ

بات سچی بھی اگر ہو نہیں سہتا کوئی
اپنے بچوں کو برا تو نہیں کہتا کوئی (۸)

علمِ موسیقی کے اسرار و رموز اور فنونِ لطیفہ سے کامل آگاہی سے جگہ جگہ ان کے کلام میں موسیقی کی اصطلاحات بکثرت دیکھی جاسکتی ہے۔جعفر طاہر کو لے، سُر اور تال کا پورا فہم ہے اسی لیے ان کے یہاں وہ نغمہ بھی ہے جو (Harmony) کہلاتا ہے اور وہ شاعرانہ غنائیت بھی ملتی ہے جسے (Melody) کہتے ہیں۔

موسیقیت، تراکیبِ نو، فکر کی شوخی، بیان کی رعنائی، تہذیبی مطالعات، نادر تشبیہات اور معنی خیز استعارات ان کے کینٹوز کے بنیادی خدوخال ہیں۔سید عابد علی عابد جعفر طاہر کے فکری و فنی ارتقا کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نئی تراکیب بلکہ نئے الفاظ کی اختراع میں غالب اور عرفی کے بعد جعفر طاہر کا نام آتا ہے۔''(۹)

جعفر طاہر کے کلام میں لفظی و معانی سطح پر جدت، ندرت اور انوکھا پن ہے۔وہ ایک باکمال اور قادر الکلام شاعر تھے۔ان کی شعری لغت بہت وسیع ہے۔اس کی غالب وجہ یہی ہے کہ انہیں کئی زبانوں پر دسترس

تھی۔ اردو، عربی، بنگالی، فارسی، پنجابی اور انگریزی پر انہیں مکمل عبور تھا۔ ہندی اور چینی زبان کی بھی اچھی شد بد تھی۔ اپنے کینٹوز میں جب وہ کسی ملک کی تہذیب و ثقافت کو بیان کرتے ہیں تو ان تہذیبوں کی جغرافیائی حدود میں بولی جانے والی دیگر بولیوں سے بھی صرفِ نظر نہیں کرتے بلکہ ان زبانوں کے بیشتر الفاظ کو اپنی شاعری میں بڑی مہارت سے جگہ دیتے ہیں۔ مثال درج ذیل ہے:

جاگ جاگ اٹھی ہیں سرگوشیاں ارمانوں کی
کھول کر اپنی برس گانٹھ کوئی برہاگی
مغلیہ دور کے کھنڈروں میں کہاں آبیٹھی
تھام کر ایک ستوں ٹوٹ کر گانے لاگی
''نشیتھے جائیو پھولو بنے، ہے بھومرا
نشیتھے جائیو پھولو بنے
جالائے چندیرو باتی
جیکے رورو شارا رانی گو
اکوئیو کتھاشی شی رے شنے ہے بھومر
جودی دا گھمائے پوڑی
شپنیر وپتھ، دھوری گو
نیرلو چتنے جائیو، ہے بھومرا
نشیتھے جائیو پھولو بنے، ہے بھومرا
تو مارگان جینو بھانگے نا
امار گھوم جینو بھانگے نا
پھولیر گھوم جینو بھانگے نا
ڈالیر گھوم جینو بھانگے نا (۱۰)

بین التہذیبی مطالعات کے ساتھ ساتھ جعفر طاہر کا بین المذاہب مطالعہ بھی بہت وسیع تھا۔ وہ جس تہذیب پر خامہ فرسائی کرتے ہیں اس کی روح تک رسائی میں کامیابی کے لیے کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے ذہنِ رسا پر قدیم داستانی فضا کے اثرات بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہندی اساطیر کا ایک نمونہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

ے
یہ اندر مہاراج ہیں سوچ کی سلوٹیں ہیں جبینِ کرم سے نمایاں
سمیرو کے استھان پر ناچتی کیشنی ہے نہ وہ اپسرائیں ہیں رقصاں
کوئی بھی ہتھیلی لرزتی نہیں ہے، چھلکتے نہیں امرتا کے پیالے
نہ وہ بانوری سانوری بدریاں ہیں نہ شیشوں میں ڈھلتی لووں کے اجالے
کہیں استخوانِ شکستہ کے انبار پر آج بھیروں ہیں دھونی رمائے
کہیں ڈامرو لے کے شنکر کھڑے ہیں مگر ڈگڈگی سے نہ آواز آئے
چلے تھے قضا کی سیہ سال دیوی کو نٹ راج اپنے ہنر سے رجھانے
وہ کالی کے پاؤں میں لاشہ پڑا ہے کسے تاب آئے جو ارتھی اٹھانے (۱۱)

جعفر طاہر نے کینٹوز کو ایک نیا مزاج عطا کیا۔ ن۔م۔راشد کی یہاں ہیئت کے تجربے بہت حد تک موجود ہیں لیکن جعفر طاہر نے اسے بہت وسعت دی۔ انہوں نے نظم کے سارے امکانات کو شعوری طور پر اپنے کینٹوز میں جگہ دی ہے۔ انھیں پورا کرنے کے لیے جہاں انہوں نے نئے الفاظ اور نئی علامات تراشیں ہیں وہاں کلاسکی علامتوں کی روایت کو بھی نبھایا ہے۔ ان کے کلام میں کلاسکی اور جدید روایت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

''ہفت کشور'' میں شاعری کی جملہ اصناف غزل، پابند، نظم، آزاد نظم، معرّیٰ نظم، مربع، قطعہ، مسدس، ترکیب بند، ترجیع بند، مثنوی، استنزا، گیت، مسمط وغیرہ کا احاطہ کیا ہے۔ انھوں نے ''ہفت کشور'' کی صورت میں ایک انوکھا شعری تجربہ کیا ہے اس میں پاکستانی تہذیب وثقافت کے اجزائے ترکیبی کی تلاش اور اُس کی بنیادوں تک پہنچنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ان کی اس تخلیقی کاوش کو بیسویں صدی کے عالم اسلام کی تہذیب وتاریخ کی ایک دلکش شعری دستاویز بھی ہے۔ اس کتاب کی صورت میں، ترکی، مصر، عرب، عراق، ایران، پاکستان اور الجزائر کی تاریخ وتہذیب کی شعری اور لسانی تشکیل جعفر طاہر کا مطمع نظر ہے۔ اسی منفرد فنی اختصاص کی بدولت جعفر طاہر اس میدان میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے۔ فرمان علی طاہر اپنے مقالے ''اُردو شاعری میں کینٹوز'' میں لکھتے ہیں:

> ''جعفر طاہر نے کینٹوز میں تمام اصناف اور ہیئتوں میں طبع آزمائی کی ہے اور سبھی میں انفرادیت کے امتیازی نشانات قائم کیے ہیں۔ ہفت کشور میں ہیئت وعروض کے تجربات

کا ایک نیا انداز ہے۔ جعفر طاہر کے افکار کا طلسم ان کے کینٹوز میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔''(۱۲)

جعفر طاہر نے اپنے کینٹوز میں نظم کے تمام ہیئتی امکانات کو بڑی مہارت سے برتا ہے۔ کینٹوز میں ان کا اندازِ غزل تغزل سے بھرپور ہوتا ہے۔ وہ یہاں بھی کلاسکی روایت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ اساتذہ کے مضامین کے بیان میں بھی وہ ان سے کسی طور پیچھے نہیں رہتے۔ غالب کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

؎ رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں (۱۳)

اسی مضمون کو جعفر طاہر نے یوں باندھا ہے:

؎ کب رخشِ فنا رقص کو ہو تیرا اشارا
کیا جانے ٹھہر جائے کہاں عمرِ گریزاں (۱۴)

اقبال کا رنگ بھی ملاحظہ کیجیے:

؎ ہم سوختہ جانوں پہ نوازش کی نظر ہو
کچھ بھی ہوں، ترے نام پہ مرتے ہیں مسلماں (۱۵)

جعفر طاہر نے کینٹوز میں بھی نادر تشبیہات تخلیق کی ہیں جو اپنے لطف و لذت کے لحاظ سے بالکل منفرد ہیں۔ ان تشبیہات کی انفرادیت یہی ہے کہ یہ مشرقی تہذیب سے ماخوذ ہیں۔ ایک بند پیش کیا جاتا ہے:

؎ سطریں ہیں کہ صف بستہ نگارانِ قمر بر
زیر و زبر و پیش کے پہنے ہوئے زیور
نقطوں کے چمکتے ہوئے ماتھوں پہ یہ جھومر
یہ دائرے ہیں یا کہ خمِ ابروئے دِلبر
قوسیں ہیں کہ گردن میں ہیں معشوق کے بازو
ہر مد ہے کہ محبوب کے بکھرے ہوئے گیسو (۱۶)

جعفر طاہر نے اپنی شاعری میں الفاظ سے متشکل ایسی تصویریں پیش کی ہیں جو قاری کی حسیات کو مرتعش کرتی ہیں۔ ان کے یہاں شاعرانہ مصوری تشبیہ، استعارہ، علامت، اساطیر اور تلمیح جیسے ذرائع سے پیدا ہوتی

ہے۔یہی ذرائع سمعی، بصری، مشامی، ذائقائی اور لمسی پیکر بناتے ہیں۔شاعرانہ مصوری کی ایک مثال اس بند میں ملاحظہ کیجیے:

ب

وہ آبِ رواں کی سجل چولیوں میں دھڑکتے ہوئے ارغواں رنگ سینے
وہ سینے کہ جن کی جھلک دیکھ پائیں تو حورانِ خود سر کو آئیں پسینے
جوانی کے مندر پہ بیٹھے ہوئے یہ کبوتر اگر سرخ چونچیں ہلائیں
جیالے جوانوں کے دم پھول جائیں، شہنشاہ صید افگنی بھول جائیں (۱۷)

جعفر طاہر نے موضوع اور اسلوب دونوں اعتبار سے اپنی شاعری میں صحت مندانہ روایت قائم کی۔فکری سطح پر ان کی شاعری پر ایذرا پاؤنڈ کی گرفت نمایاں ہے مگر یہ گرفت فقط تہذیبی مطالعات تک محدود ہے۔یہ جعفر طاہر کے فنکارانہ ذہن کی اختراع ہے کہ وہ اس میں اسلوبیاتی اور موضوعاتی اضافے کرتے ہیں۔جعفر طاہر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے کینٹوز کو اسلوبیاتی اور موضوعاتی سطح پر انگریزی کینٹوز کے ہم پلہ کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شمیم احمد، اصناف ادب اور شعر کی ہیئتیں، (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۳ء)،ص۲۱۰۔

۲۔ فرمان علی طاہر، ڈاکٹر نجیب جمال، اردو شاعری میں کینٹوز، (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، غیر مطبوعہ ایم فل)،ص۱۶۹۔

۳۔ جعفر طاہر، ستارہ انقلاب،(کراچی: ایم آر خان چودھری، ناشر،۱۹۵۹ء)،ص۱۸۔

۴۔ ایضاً، ص۳۲۔

۵۔ مجید امجد، کلیاتِ مجید امجد، مرتبہ: ڈاکٹر خواجہ زکریا، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص۳۰۷۔

۶۔ جعفر طاہر، ستارہ انقلاب،ص۳۶۔

۷۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، شاعر نہیں ساحر تھا وہ، مرتبہ: منظور سیال، (ملتان: ۸۸۴ جمال روڈ، ۲۰۰۵ء)، ص۳۵۔

۸۔ جعفر طاہر، ہفت کشور، (لاہور: گلڈ پبلشنگ ہاؤس،۱۹۶۲ء)،ص۶۶۔

۹۔ سید عابد علی عابد،''بیک فلیپ''،مشمولہ: شاعر نہیں ساحر تھا وہ، مرتبہ: منظور سیال، (ملتان:

۴۸۸جمال روڈ، ۲۰۰۵ء)۔

۱۰۔ جعفر طاہر، ہفت کشور، ص۲۶۱۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ فرمان علی طاہر، اردو شاعری میں کینٹوز، ص۱۶۷:۱۶۸۔

۱۳۔ غالب،اسد اللہ خان، دیوانِ غالب، مرتبہ:سید معین الرحمٰن،(لاہور:الوقار پبلیشرز، ۲۰۰۰ء)، ص۴۶۔

۱۴۔ جعفر طاہر، ہفت کشور، ص۲۹۰۔

۱۵۔ ایضاً۔

۱۶۔ ایضاً، ص۳۰۱۔

۱۷۔ ایضاً، ص۳۰۲۔